Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)
Volume 2 Issue 1, Spring 2022
ISSN(P): 2790 8216 ISSN(E): 2790 8224
Homepage: https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift

Article QR

جدیدفقہی مسائل میں قراءاتِ قرآنیہ سےاستدلال کا منہج

Title: **Method of Reasoning from Qur’anic Recitations in Modern Jurisprudential Issues**

Author (s): Qari Abdul Nasir Madni[1], Hafiz Masood Qasim[2,] Zahid Husainn Shakri[3]

Affiliation (s): [1]Government College University Faisalabad, Punjab, Pakistan
[2] University of Agriculture Faisalabad, Faisalabad, Pakistan
[3]The University of Faisalabad, Faisalabad, Punjab, Pakistan

DOI: https://doi.org/10.32350/mift.21.05

History: Received: Jan 09, 2022, Revised: Mar 06, 2022, Accepted: April 21, 2022, Available Online: June 25, 2022

Citation: Madni, Qari Abdul Nasir, Hafiz Masood Qasim and Zahid Husainn Shakri " Method of Reasoning from Qur’anic Recitations in Modern Jurisprudential Issues." *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 2, no.1 (2022): 53−70. https://doi.org/10.32350/mift.21.05

Copyright: © The Authors

Licensing: This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest

A publication of
Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Sciences and Humanities, University of Management and Technology, Lahore, Pakistan

جدید فقہی مسائل میں قراءاتِ قرآنیہ سے استدلال کا منہج

Method of Reasoning from Qur’anic Recitations in Modern Jurisprudential Issues

Qari Abdul Nasir Madni

Government College University Faisalabad, Punjab, Pakistan

Hafiz Masood Qasim

University of Agriculture Faisalabad,Faisalabad, Pakistan

Zahid Husain Shakri

The University of Faisalabad, Faisalabad, Punjab, Pakistan

Abstract

It is an indisputable fact that Allah Almighty has revealed the Holy Qur’an in different dialects that beholds wisdom. It is upon Muslim scholars to convey the Qur’an to its readers and to translate and interpret underlying wisdom in it. In fact, the Holy Qur’an is the valid source that provides the fundamental principles of Islamic Jurisprudence. This is the reason why the Jurists have keenly explored the Holy Qur’an in every age. They had made arrangements to learn the knowledge of recitations and refer to the readers in time of need so that the recitations could indicate the effects of modern Jurisprudence. In this Article, an attempt has been made to bring forth the examples from the recitations of the Holy Qur’an which have an effect on the rules of Jurisprudence which are directly related to modern Jurisprudential issues:١) the *Maqam-e-Ibrahim* is commanded to offer prayers; ٢) What is the ruling on fighting within the limits of *Haram Shareef* ? ٣) What is the ruling of Islamic excuse for a wife? ٤) What is the order of ablution in case of holding the wife by hand? ٥)Torture is prohibited for secretary and witness.٦) What is the true ruling on entering Islam? And at the end of the article, the summary is briefly stated.

Key Words: Method of reasoning, Qur’anic recitations, Modern jurisprudence issues.

ا۔ تعارف

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ مجید کو سات حروف: یعنی سات مختلف لب و لہجوں اور اندازِ گفتگو میں نازل فرمایا ہے۔ اور اس میں لاتعداد حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جن میں سے قرآنِ مجید کو پڑھنے والوں کے لیے آسانی اور قرآنی الفاظ کے ترجمہ و تفسیر، معنی ومفہوم اور احکام ومسائل کے اخذ و استنباط میں اُمتِ مسلمہ کے لیے وسعت اور آسانی کی راہیں ہموار کرنا خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم کو فقہ اِسلامی میں اصل الاصول اور ماخذِ اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے اُمت نے ہر دَور میں قرآنِ پاک کی متعدد قراء ات پڑھنے، علم القراء ات سیکھنے اور بوقتِ ضرورت قرائے کرام کی طرف رجوع کرنے کا بہت اہتمام فرمایا تاکہ قراءاتِ متواترہ اور غیر متواترہ کے درمیان فرق کرنے کے ساتھ ساتھ ان قراء ات سے شرعی احکام پر استدلال اور مختلف قراء ات پر مرتب ہونے والے جدید فقہی اثرات کی نشاندہی کر سکیں۔

قرآنِ مجید سے احکامِ فقہیہ کے استنباط کرنے میں فقہاء کرام نے قراءاتِ متواترہ کے ساتھ ساتھ بعض مسائل میں شاذہ قراءات کو پیش نظر رکھا ہے لیکن قراءاتِ متواترہ کے بارے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ قراءاتِ متواترہ اور قرآن کریم دراصل ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس لیے متواترہ قراءات کے ساتھ نماز میں تلاوت اور احکامِ شرعیہ کے استنباط کرنے میں بالکل برابر کی حیثیت رکھتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ امت کے مختلف مکاتبِ فکر کے فقہاء کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بعض قراءاتِ قرآنیہ متعدد اور مختلف معانی کا احتمال رکھتی ہیں۔ مگر اس بات کو ملحوظِ خاطر رہنا ضروری ہے کہ متنوع قراءاتِ قرآنیہ کی وجہ سے احکامِ فقہیہ میں اَوامر ونواہی اور حلال وحرام میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے یعنی دراصل اختلافِ قراءات کی وجہ سے تضاد اور تناقض ممکن نہیں ہے کہ ایک ہی لفظ میں ایک قراءت کے مطابق کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جارہا ہو اور دُوسری قراءت کے مطابق تقاضا ممانعت کا ہو رہا ہو یا ایک قراءت میں کسی چیز کو حلال اور دُوسری قراءت میں حرام قرار دیا گیا ہو، جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی الجامع الصحیح میں سبعہ احرفٍ والی اَحادیث میں حضرت ابنِ شہاب الزہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ سبعہ احرفٍ کی اجازت صرف ایسے اَمر میں تھی جس میں حلال وحرام کا اختلاف واقع نہ ہو کیونکہ کسی لفظ کے متعدد اور متنوع معانی سے ان کا باہمی تضاد لازم نہیں آتا بلکہ بعض مقامات پر ایک قراءت کا معنی دُوسری قراءت کے معنی میں وسعت اور گہری مناسبت پیدا کر دیتا ہے۔ اور دُونوں معانی کا انطباق ایک ہی ذات یا چیز پر ہو رہا ہوتا ہے۔

جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں کلمہ: "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں دُوسری قراءت "مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" ہے۔ ایک قراءت کا معنی روزِ جزاء کا مالک اور دُوسری قراءت کا معنی روزِ قیامت کا بادشاہ ہے۔ دُونوں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلیلہ میں سے ہیں، دُونوں قراءتوں نے مل کر معنی ومطلب میں وسعت اور مزید نکھار پیدا کر دیا۔ اور بعض دیگر مقامات پر ایک قراءت دُوسری قراءت کے ساتھ بغیر تضاد اور ٹکراؤ کے نیا فائدہ اور مختلف حکم ثابت کر رہی ہوتی ہے۔ اور کبھی دُو قراءتوں کے درمیان ظاہری تعارض بھی واقع ہو جاتا ہے اس لیے فقہاءِ کرام کے نزدیک کسی لفظ میں دُو متواتر قراءتیں دُو آیتوں کی طرح ہیں انہیں دل سے قرآن تسلیم کرنا اور ان کے مُقتضیٰ کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور ان کا معنی ومفہوم اس طرح بیان کیا جائے گا جس طرح کسی ایک مسئلہ میں نازل ہونے والی دُو آیات کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور اگر دُو متواتر قراءتوں میں ظاہری تعارض نظر آئے تو اُن کے درمیان جمع اور تطبیق کی کوئی صورت نکالنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح دُو آیتوں کے درمیان ظاہری تعارض کی صورت میں نکالی جاتی ہے۔ امام ابو بکر الجصاص الحنفیؒ نے اپنی تفسیر: "احکام القرآن" میں وضو کے احکام بیان کرتے ہوئے پاؤں کی طہارت کے حکم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دُو مختلف قراءتیں دُو آیتوں کی طرح ہیں، ایک میں دھونے کا حکم ہے اور دُوسری میں مسح کرنے کا کیونکہ اُن میں دُونوں معانی کا احتمال ہے اس لیے اگر بالفرض اس کے بارے میں دُو آیتیں نازل ہو جاتیں، ایک کا معنی دھونا ہوتا اور دُوسری کا مسح کرنا تو دھونے کے حکم کو مسح کرنے کے مقابلہ میں چھوڑنا جائز نہ ہوتا۔[1]

☆۔ مذکورہ فقہی مسئلہ اور حکم شرعی کو امام المحدثین علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہت آسان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

"أَمَا الْقِرَاءَةُ الأُخرىٰ وَهِيَ قِراءةٌ مَنْ قرأ وَأَرْجُلِكُمْ بِالْخَفْضِ فَهِيَ لا تُخَالف السنة المتواترة اذا الْقِرَائَتَانِ كالآيتينِ"۔[2]

---

[1] ابو بکر احمد بن علی الجصاص، **احکام القرآن للجصاص** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ)، ۲: ۳۴۶۔

[2] شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، **مجموع الفتاویٰ** (مدینہ منورہ: الجامعۃ الاسلامیۃ، ۱۴۲۴ھ)، ۲۱: ۱۳۱۔

ترجمہ: دُوسری قراءت جوکہ لفظِ "أَرْجُلِكُمْ" کے لام کے زیر کے ساتھ ہے وہ سنتِ متواترہ کے مخالف نہیں ہے، اس لیے کہ دُوقراءتیں دو قرآنی آیتوں کی طرح ہیں۔ یعنی امتِ مسلمہ کو اس طرح حکم دیا جارہا ہے کہ دُو متواترہ قراءتیں درحقیقت دُوآیاتِ مبارکہ کی مانند معلوم ہوتی ہیں۔

☆۔امام ابو جعفر الطحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہورِ زمانہ تفسیر: "احکام القرآن الکریم" میں اس طریقے سے تحریر کرتے نظر آتے ہیں:

"تَأْوِيلُ قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ: "وَأَرْجُلَكُمْ إِلَىٰ الْكَعْبَيْنِ" هَلْ هُوَ عَلَىٰ الْغَسْلِ أَوْ عَلَىٰ الْمَسْحِ؟ فَقِرَاءَةُ بَعْضِهِمْ: "وَأَرْجُلِكُمْ" بِالْكَسْرِ وَرَدُّوهُ إِلَىٰ قَوْلِهِ: "وَامْسَحُوْا بِرُءُوسِكُمْ" وَذَهَبُوْا إِلَىٰ أَنَّ اللَّازِمَ فِيْ الرِّجْلَيْنِ هُوَ الْمَسْحُ عَلَيْهِمَا لَاغَسْلُهُمَا، فَمِمَّنْ ذَهَبَ إِلَىٰ هَذَا الْمَعْنَىٰ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ، وَالشَّعْبِيُّ، وَمُجَاهِدٌ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُودَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ قُرَّةَ، عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّهُ قَرَأَ: "وَأَرْجُلِكُمْ" ۔وحَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِسْحَاقَ الْحَضْرَمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: "نَزَلَ الْقُرْآنُ بِالْمَسْحِ وَالسُّنَّةُ بِالْغَسْلِ" ۔[3]

اس آیتِ مبارکہ میں اختلافِ قراءات کے فقہی احکام پر بحث کرتے ہوئے امام طحاوی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان: "وَأَرْجُلَكُمْ إِلَىٰ الْكَعْبَيْنِ" میں اس بات پر اختلاف کیا گیا ہے کہ وضو کی بابت میں دُونوں پاؤں کو دھویا جائے گا یا دُونوں پر مسح کیا جائے۔ بعض علمائے کرام میں سے خاص کر امام الحسن البصری، امام الشعبی اور امام مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پاؤں کو مسح کرنے کے قائل ہیں جبکہ دیگر علماء کرام یعنی جمہور دُونوں پاؤں کو دھونے کا حکم دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ دُونوں جانب کی دلائل اپنے اپنے مقام پر مسلم ہیں لیکن جمہور علمائے کرام کی دلائل اور براہین میں زیادہ مضبوطی نظر آتی ہے، اسی وجہ سے تقریبًا پوری امتِ مسلمہ کے پیروکار وضو کرتے ہوئے دُونوں پاؤں کو دھوتے ہیں اور مسح نہیں کرتے۔ واضح رہے کہ عقلی، دورِ جدید کے محققین اور خاص کر سائنسی اعتبار سے بھی وضو میں پاؤں کو دھونا ہی افضل اور قابلِ اعتبار ہیں۔ اور اسی اختلاف کو آگے بڑھاتے ہوئے علامہ صدیق حسن خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہور کتاب: "نَيْلُ الْمَرَام" میں اس طریقے سے لکھتے ہیں:

"وَقَدْ تقرر أن الْقِرائتين بمنزلةِ الآيتين فَكَمَا أنهُ يجبُ الْجمع بين الآيتينِ المشتملة إحداهما علىٰ زيادةِ الْعَمَلِ بتلك الزيادةِ كذالك يجبُ الْجمع بَيْنَ الْقرائتين"۔[4] یہ بات ثابت شدہ ہے کہ دُوقراءتیں دُوآیتوں کی طرح ہیں، جس طرح ایسی دُوآیتوں کے درمیان تطبیق دیناضروری ہے جن میں سے ایک زائد عمل پر مشتمل ہو، اسی طرح دُوقراءتوں کے درمیان بھی تطبیق ضروری ہے۔☆ حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے بخاری شریف کی معروف شرح: "فتح الباری" میں اس طرح سے تحریر کرتے ہیں:

"بينُ القرائتين تَعَارُضٌ ظَاهِرٌوالحكمُ فِيمَا ظاهرهُ التعارضُ أنه إن أمكن العمل بهما وجب وإلا عمل بالقدرِ الممكن، ولايتأتى الجمع بين الغسل والمسح في عضوٍ واحدٍ في حالةٍ واحدةٍ لأنه يؤدي إلىٰ تكرار المسح لأن الغسل يتضمن المسح والامرُ المطلقُ لايقتضى التكرار۔فينبغى أن يعمل بهما فِيْ حَالَيْنِ توفيقًا بينَ الْقرائتين وعملا بالقدرِ الممكنِ" ۔[5]

دُوقراءتوں کے درمیان ظاہری تعارض ہے اور ظاہری تعارض والے دلائل کا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر دُونوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو یہی ضروری ہو گا ورنہ ممکن حد تک دُونوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہاں (آیتِ وضو میں) ایک عضو میں اس کا دھونا اور اسی پر مسح کرنا ایک ہی

---

[3] ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، **احکام القرآن الکریم** (استنبول: مرکز البحوث الاسلامیہ، ۱۴۱۸ھ)، ۱: ۸۱۔

[4] صدیق حسن خان القنوجی، **نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۳ء)، ۵۲۔

[5] حافظ ابن حجر العسقلانی، **فتح الباری** (مدینہ منورہ: مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، ۱۴۱۷ھ)، ۱: ۳۴۶۔

حالت میں جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ اس سے مسح کا تکرار لازم آتا ہے کیونکہ پاؤں کو دھونا مسح کرنے کو بھی شامل ہے جبکہ اس میں مطلق اَمر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، چنانچہ جو صورت باقی رہی وہ یہ ہے کہ دُونوں مختلف قراء توں پر دُو مختلف حالتوں میں عمل کیا جائے تاکہ دُونوں قراء توں کے درمیان تطبیق ہو جائے اور بقدرِ امکان عمل بھی ہو جائے۔ درج ذیل میں ہم چند ایسی آیاتِ مبارکہ کا بطورِ مثال تذکرہ کرتے ہیں جن میں ایک سے زائد قراء تیں ثابت ہوں تاکہ ان قراءات پر مرتب ہونے والے فقہی احکام کی کماحقہ توضیح اور تشریح ہو سکے۔

۲۔ مقامِ ابراہیمؑ پر نماز پڑھنے کا حکم

واضح رہے کہ مقامِ ابراہیم اہلِ اسلام کے لیے ایک مقدس اور قابلِ قدر عبادت گاہ ہے جس کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۲۵، میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ہر حال میں مسلمانوں پر فرضِ عین ہے کہ مقامِ ابراہیم کو یقینی طور پر قبلہ تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی عبادات، ریاضات اور سجود اسی کی طرف کر کے ادا کریں:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ[6] اس آیتِ مبارکہ میں لفظ "وَاتَّخِذُوا" میں دُو متواترہ قراءات ثابت ہیں امام نافع المدنیؒ اور امام ابن عامر الشامیؒ نے اسے خاء کے فتح یعنی فعلِ ماضی کے صیغہ سے پڑھتے ہیں جو مفہوم کے اعتبار سے خبر کا فائدہ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اولادِ ابراہیم علیہ السلام نے مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنایا تھا اور اس میں دُوسری قراء ت: "وَاتَّخِذُوا" امر حاضر کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ یہ باقی قراءِ کرام کی قراء ت ہے۔ جس کی رُو سے اُمت مسلمہ کو مقامِ ابراہیم پر نماز ادا کرنے کا حکم دیا جارہا ہے، یہ چونکہ صیغہ امر ہے اور اصولی طور پر اَمر کا صیغہ وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ آیتِ مبارکہ میں ایک اہم حکم شرعی کی طرف توجہ دی گئی: رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت سمیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا کہ ہم نے خانہ کعبہ کو عوام الناس کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا ہے اور آپ سب اہلِ اسلام کو حکم دیا جاتا ہے کہ میرے برگزیدہ خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جہاں قیام کیا ہے تم نے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالیا کرو۔ اور جمہور قرائے کرام کی قراءت کے مطابق اس آیت میں صیغہ امرِ حاضر استعمال ہوا ہے جو ترجمہ سے واضح ہے، اور دُوسری قراءت جو ماضی معروف کا صیغہ ہے، یہ امام نافع مدنیؒ اور ابن عامر شامیؒ کی قراءت ہے، اور دُونوں متواترہ قراء توں کے تفسیری اثرات: فقہی اعتبار سے مختلف ہے ملاحظہ ہوں۔

۱۔۲۔ پہلی قراءت

فعلِ امر والی قراءت: (وَاتَّخِذُوا) کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کریم کا فرمان ہے کہ اے محمد! ﷺ یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن کی جگہ بنادیا تھا۔ اب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر لازم ہے کہ اس کو قبلہ بنالو کیونکہ امر کا مُوْجَبْ وُجُوْب ہوتا ہے۔ بہر صورت یقینی طور پر صیغہ امرِ حاضر والی قراءت کو زیادہ تر مفسرین اور قراءِ کرام نے اختیار کی ہیں۔

۲۔۲۔ دُوسری قراءت

فعلِ ماضی یعنی فتحہ والی قراءت: (وَاتَّخَذُوا) یعنی فعلِ ماضی کے صیغہ کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں کلام کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جب ہم نے کعبۃُ اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن و امان کا مقام بنایا تھا تو اُس زمانے کے لوگوں نے اپنی مخصوص عبادات کے لیے مقامِ ابراہیم کو اپنے لیے قبلہ مقرر کر دیا کیوں کہ یہ بہت ہی مقدس اور بابرکت مقام ہے۔ لہٰذا دُونوں جہانوں کی کامیابی کے

---

[6] البقرۃ ۲: ۱۲۵۔

لیے ہم سب پر لازم ہے کہ اس کی عزمت، کرامت، اور احترام اسی میں ہے کہ اس کی طرف سجدہ ریز ہو جائیں اور اپنے خالقِ حقیقی سے دل کھول کر اپنے گناہوں کی معافی کا طلب گار بنے۔ مذکورہ توضیح کے ضمن میں مجھے اچانک حجاج بن یوسف کا مشہور واقعہ یاد آیا کہ انہوں نے غلافِ کعبہ کو اپنے دُونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہا تھا کہ "انا،انا،انت َ،انت َ"۔

۳۔۲۔ معانی و مفاہیم قراءات

اختلافِ قراءات کے معانی اور مفاہیم کو درست طریقے سے حل کرنے کے لیے مذکورہ آیتِ مبارکہ میں امام القراء والمحققین امام ابو عبداللہ الحسین بن احمد المعروف بابن خالویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اقوال کو بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت لانے کی کوشش کی گئی ہے: یادرہے ابن خالویہؒ (المتوفی: ۳۷۰ھ) کا عالم اسلام میں ایک خاص مقام ہے، اور وہ خاص کر علم القراءات میں، توجیہ قراءات، تاویلات، معانی اور مفاہیم بیان کرنے میں ثانی نہیں رکھتے۔ واضح رہے کہ باقی تمام محققین قراءِ کرام اسی کے خوشہ چین ہیں۔

"وَأَمَا عَنِ الجَمْعِ بيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ:الاولىٰ بالفتحِ علىٰ الاخبارِ عَنِ الْمَاضِيْ والثانيةُ بالكسرِ علىٰ الامرِ،فقد قَالَ ابنُ خالويه:فان قيل فان الامر ضد الماضى،وكيف جآء القرآن بالشئِ و ضده ؟ فقل:ان الله تعالىٰ أمرهُمْ بذالكَ مبتدئًا،فَفَعَلُوْا مَااَمَرُوْا به،فاثنى بذالك عليهم واخبرهم به،وانزله فِيْ الْعَرْضَةِ الثَّانِيَةِ"۔[7]

بہر حال دُوقراءتوں کا جمع کرنے کا طریقہ: سر دست پہلی بات یہ ہے کہ فتحہ والی قراءت ماضی کا صیغہ جبکہ کسرہ والی قراءت امر کا صیغہ ہے۔ اس کے بارے میں امام ابن خالویہؒ نے فرمایا کہ اگر کہا جائے کہ امر کا صیغہ ماضی کے صیغہ کی ضد ہے تو یہ بات قرآن کریم کے اعجاز اور بلاغت کے منافی ہے تو یہ ممکن نہیں۔ پس یہ کہنا بہتر ہو گا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں ان کو یہ حکم دیا کہ جس طرح تمہیں کسی بھی کام کے کرنے کا حکم ملتا ہے تو اس کو اسی طرح کر لیا کرو تو یقیناً یہ تعمیلِ حکم خداوندی ہو گی۔ دُوسری بات یہ ہے کہ ان کو ماضی کے صیغہ کے ذریعے سے خبر دی گئی کہ مقامِ ابراہیم کو قبلہ بنالیا گیا، اس کو عَرضَۂ ثانیہ میں رکھا گیا ہے یعنی اس تاویل کا مقام و مرتبہ ثانوی درجہ کا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ کے اختلافِ قراءات کو صحیح معنوں میں بیان کرنے کے لیے مشہور مفسرین میں سے علامہ الآلوسیؒ، اِمام فخر الدین الرازیؒ، علامہ السمین الحلبیؒ، امام مکی بن ابی طالب القیسیؒ اور دورِ جدید کے معروف محقق دکتور عطیۃ محمد ہدیل کے اقوال کو ضرورت کے مطابق لانے کی کوشش کی گئی تاکہ مفہومِ مطالب سمجھنے میں قارئین کے لیے پریشانی لاحق نہ ہو:

(وَاتَّخِذُوْا) کے معانی اور تفسیری اثرات کو بیان کرنے میں مفسرین میں سے علامہ الآ لوسی بغدادیؒ (م ۱۲۷۰ھ) نے اپنی تفسیر "روح المعانی فی تفسیر القرآن" میں اس انداز سے بیان فرماتے ہیں: **"وَاتَّخَذُوْا"بفتحِ الخَاءِ علىٰ أنهُ فعلُ ماضٍ،وهو حينئذٍ معطوف علىٰ"جَعَلْنَا" أى واتخذ الناس مِنْ مكان ابراهيم الذى عرف به وأسكن ذريته عنده وهو الكعبةُ قبلة يصلون اليها"**۔[8] یعنی علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ (وَاتَّخَذُوْا) خا پر فتحہ یہ فعل ماضی کا صیغہ ہو گا۔ اس کا عطف (جَعَلْنَا) فعل پر ہو گا۔ یعنی لوگوں نے بنایا مقام ابراہیمؑ اس جگہ کو جو مشہور اور معروف ہے اور ان کی اولاد اس کے پاس زندگی بسر کرتی رہی ہو اور وہ کعبہ ہی ہے جو امتِ مسلمہ کے لیے قبلہ ہے اسی کی طرف نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور اِمام مکی بن ابی طالب القیسیؒ (م ۴۳۷ھ) نے اپنی مشہور کتاب "الکشف عَن وجوہ القراءات السبع" میں اختلافِ قراءات پر بحث کرتے ہوئے اس انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

---

[7] حسین بن احمد بن خالویہ، **الحجۃ فی القراءات السبع** (بیروت: دارالشروق، ۱۴۰۱ھ)، ۸۷۔

[8] شہاب الدین الآلوسی، **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم** (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ)، ۱: ۱۹۸۔

"فکلُ جملةٍ فعليةٍ وردت فِيْ الآية هِيَ عبارةٌ عن خبرٍ تحمل معنى التنبيهِ و التذكير لما كان عليه الناسُ فِيْ الْماضِيْ ،فحُمل الكلامُ علىٰ ماقبله ومابعده ليتفق ويتطابق،حيث اِنْ"اِذْ"محذوفة فِيْ كل خبرٍ لدلالةٍ"اِذْ"التى فِيْ أول الآية عليها"۔[9]

پس وہ تمام جملہ فعلیہ جو اس آیت میں وارد ہوئے ہیں تمام کے تمام خبر پر ہی دلالت کرتے ہیں ان جملوں کو گزرے ہوئے لوگوں کے لیے تنبیہ اور تذکیر پر محمول کیا جائے گا۔ پس کلام کو محمول کیا جائے گا ما قبل اور مابعد جملوں پر تاکہ اتفاق اور مطابقت پیدا ہو جائیں۔

اس حیثیت سے لفظِ (اِذْ) کو ہر جملہ خبریہ میں محذوف ماننا پڑے گا تاکہ (اِذْ) کی وجہ سے شروعِ کلام کی دلالت آخر کلام تک برقرار رہے۔ بہر حال دُوسری قراءت (اِتَّخِذُوْا) کسرہ والی صرف یہ فائدہ دیتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے امتِ محمدیہ ﷺ کے لیے وہ مقامِ ابراہیمؑ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں۔ صرف اسی قراءت کو امام الرازیؒ (م۶۰۶ھ) نے مدنظر رکھتے ہوئے اپنی معروف تفسیر "مفاتیح الغیب" میں اس طرح سے تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "هذا أمرٌ مِنَ اللهِ تعالىٰ لامةِ محمدٍ أن يتخذوْا مِنْ مَقَامِ ابراهيمَ مُصلىٰ،وهو كلام اعترض فى خلال ذكر قصة ابراهيم،وكان وجهه:"وَاِذْجَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً للناسِ وَامنًا واتخذُوْا"أنتم مِنْ مَقَامِ مصلىٰ،والتقدير:أنا لما شرفناه و وصفناه بكونه مثابة للناس وأمنًا فا تخذوه أنتم قبلة لانفسهم"۔[10] یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے امتِ محمدی ﷺ کے لیے کہ وہ مقامِ ابراہیم کو مُصَلّیٰ بنائیں۔ وہ کلام ہے جس کو پیش کیا گیا ہے ابراہیمؑ کے قصہ کے شرع میں اور اس کی وجہ یہ تھی: (وَاِذْجَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا) مقامِ مصلّیٰ میں ہیں۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی کہ ہم نے اس کو عزت بخشے اور اس کی تعریف کی ثواب اور امن وامان کی جگہ ہونے کی وجہ سے، پس تم قبلہ مقرر کرلو اپنوں کے لیے۔ کسرہ والی قراءت (وَاتَّخِذُوْا) کی حجیت اور دلیل کو امام البخاریؒ (م۲۵۶ھ) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسیار بطریقہ احسن روایت کی ہے: "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ:قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ:واقفت ربى فِيْ ثلاثٍ، أو وافقنى ربى فى ثلاثٍ،قلت:يارسول الله لواتخذت مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلىٰ فنزلت:"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبرَاهِيْمَ مُصَلّیٰ"۔[11] یعنی حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے تین چیزوں میں میری موافقت کی۔ یا میرے رب نے تین چیزوں میں میرے مَوقف کی حمایت کی۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر میں مقامِ ابراہیم کو قبلہ بنالوں تو فوراً یہ آیت: (وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبرَاهِيْمَ مُصَلّیٰ) نازل ہوئی۔

یادرہے کہ اقوال مفسرین سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کعبۃ اللہ کی عزمت، کرامت اور احترام اسی میں ہیں کہ تمام امتِ محمدیہ ایک جان اور یک تن ہو کر احترام کریں۔ مقام ابراہیم سے مراد کعبۃ اللہ ہی ہے اسی کی طرف شب وروز نماز ادا کریں۔ تا دمِ حیات اس کی عزمت، کرامت، احترام اور ہمہ وقت دَر انتظارِ سُوی او باشیم۔ مزید تفسیری اثرات کو واضح کرتے ہوئے دکتورہُدیل نے اپنی کتاب "اثر اختلاف الاعراب فی تفسیر القرآن" میں یوں لکھتے ہیں: "القراءةُ الأوْلىٰ بِالْفَتْحِ افادت معنىٰ الاخبار،أى الاخبار عما كان عليه الناس من ولد ابراهيم عليه السلام واتباعه قَبْلَ الإِسْلَامِ من اتخاذ مقامه مصلىٰ لهم وعلىٰ هذه القراءة تكونُ الجملةُ

[9] مکی بن ابی طالب القیسی، **الکشف عن وجوہ القراءات السبع** (بیروت: المؤسسة الرسالة، ۱۴۰۴ھ)، ۱: ۸۴۔

[10] ابو عبداللہ فخر الدین الرازی، **مفاتیح الغیب** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ)، ۴: ۸۴۔

[11] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح** (بیروت: دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)، رقم الحدیث: ۳۹۳۔

الفعليةُ"واتخذوٓا"معطوفة علیٰ"واذجعلنا"والتقدير:واذكر يامحمد اذجعلنا البيت مثابة للناس وأمنًا،واذكر يامحمد اذ اتخذ الناس مِنۡ مَقامِ اِبۡرَاهِيۡمَ مَصَلیٰ،وَاذۡ كُرۡ يَامحمد اذ عهدنا الیٰ ابراهيم"۔[۱۲] موصوف لکھتے ہیں : پہلی قراءت فتحہ والی یہ اخبار کے معنی کا فائدہ دیتی ہے یعنی وہ اخبار جو لوگوں کے درمیان عام تھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اور قبل از اسلام اُن کی پیروی کرنا کہ مقامِ ابراہیم کو ان کے لیے قبلہ بنایا۔ اور اسی قراءت کے مطابق جملہ فعلیہ (وَاتَّخَذُوٓا) کا عطف (وَاِذۡجَعَلۡنَا) پر ہوگا۔ اور تقدیری عبارت اس طرح ہوگی کہ یاد کرو اے محمد ﷺ! اس وقت کو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن و امان کی جگہ بنائی۔ یاد کرو اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اس زمانے کا کہ جب لوگوں نے مقامِ ابراہیم کو قبلہ مقرر کر دیا تھا۔ یاد کرو اے محمد علیہ الصلوٰت والتسلیمات! اس معاہدے کو جب ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عہد لیا تھا۔ اس بحث کو مزین بنانے کے لیے امام مکی القیسیؒ نے علامہ الحلبی علیہ رحمہ کے اقوال پر بحث کرتے ہوئے بہت ہی خوبصورت انداز میں لکھتے ہیں:

"نَلۡتَمِسُ مِمَا ذكرهُ السمينُ الحلبيُ أن لكلِ قراءةٍ وَجۡهًا مِنَ الۡنَقۡلِ وَالۡسِيَاقِ،اِذۡ رأى أن الۡقراءةَ بفتحِ الۡخَاءِ قد وردت علیٰ الۡخَبۡرِ عَمَنۡ كانَ قَبۡلَنَا مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ،أنهم اتخذوٓا مِنۡ مَقَامِ اِبۡرَاهِيۡمَ مُصَلیٰ،فَهُوَ مَرۡدُوۡدٌ عَلیٰ مَاقَبۡلَهُ مِنَ الۡخَبۡرِ وَمَابعدهُ،وَالتقديرُ:وَاذكر يامحمدُ اِذۡجَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مثابةً للناسِ وَأمنا،واذكر اتخذالناس مِنۡ مقامِ ابراهيمَ مُصَلیٰ ،واذ كر اِذۡ عهدنا الیٰ ابراهيمَ،فكله خُبۡرٌ فيهِ معنیٰ الۡتنبيهِ والتذكر لما كان،فحمل علیٰ مَاقَبۡلَهُ وَمَابَعۡدَهُ ليتفق الكلام و يتطابق.ويكسرالخاء علیٰ الامر بان يتخذَ مِنۡ مقامِ ابراهيمَ مصلیٰ،وبذالك أتت الروايات عَنِ الۡنَبِي"۔[۱۳]

ہم علامہ السمین الحلبیؒ کے ذکر کردہ اقوال سے یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ ہر قراءت کے لیے نقل اور سیاق کے اعتبار سے دُو وجوہ بنتی ہیں۔ یہ ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ فتحہ والی قراءت یقینی طور پر اُس خبر پر وارد ہوئی ہے جو ہم سے قبل مؤمنین میں پائی جاتی تھی کہ انہوں نے مقامِ ابراہیم کو قبلہ بنالیے تھے۔ پس یہ بات تو مردود ہے کہ یہ واقعہ خبر دینے سے پہلے کا ہے یا بعد کا ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح سے ہے: اور یاد کرو اے رسولِ مکرم! ﷺ اس وقت کا جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن و امان کی جگہ بنائی۔

یاد کرو اس زمانے کو جب لوگوں نے مقامِ ابراہیم کو قبلہ مقرر کرلیا۔ یاد کرو اے میرے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدے کو جب ہم نے عہد لیا تھا ابراہیم علیہ السلام سے۔ پس ہر خبر میں تنبیہ وتذکر کا معنی پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ماقبل کلام کو مابعد دُونوں پر محمول کریں گے تاکہ دُونوں کلام متفق ہو جائیں اور دُونوں کے درمیان تطابق بھی پایا جائے۔ کسرہ والی قراءت صیغے امر پر دلالت کرتی ہے: بایں طور کہ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مقامِ ابراہیم کو قبلہ بنالیں۔ اس قراءت کی حجیت کے لیے نبی کریم علیہ الصلوٰت والتسلیمات سے بھی روایات ملتی ہیں۔

۴۔۲۔ فقہائے کرام کا اختلاف

اس مسئلہ میں فقہاءِ کرام کے درمیان قدرِ اختلاف ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ امام مالک، امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے ایک قول میں اس کو سنت کہا ہے جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ نے دُوسرے قول میں اس کو واجب کہا ہے۔ یادرہے کہ فقہاءِ امت کے مابین اس اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں قراءتِ متواترہ باہم مختلف ہیں، جن فقہاء نے خبر والی قراءۃ

[۱۲] محمد ہدیل عطیۃ، **اثر اختلاف الاعراب فی تفسیر القرآن** (غزۃ: الجامعۃ الاسلامیۃ، ۱۴۳۰ھ)، ۹۷۔

[۱۳] القیسی، **الکشف عن وجوہ القراءات السبع**، ۱: ۲۶۳؛ عبدالواحد، **الاختلاف فی القراءات القرآنیۃ واثرہ فی المعنی**، ۱۶۔

کے صیغہ سے اِستدلال کیا ہے انہوں نے مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کو سنت قرار دیا ہے اور جنھوں نے صیغہ اَمر والی قراء ت سے استدلال کیا ہے انہوں نے اسے واجب کہا ہے لیکن کسی فقیہ نے مقامِ ابراہیم پر نماز کو ممنوع قرار نہیں دیا بلکہ سب کا اس کی مشروعیت پر اتفاق ہے۔

۳۔ حُدُودِ حرمِ شریف میں لڑائی کا حکم

یاد رہے کہ مسجد الحرام سے مراد حدودِ حرم ہے یعنی حدودِ حرام پاک میں کسی بھی قسم کی لڑائی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔اس بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فرقانِ حمید کی سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۹۱ میں بڑی تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے: وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَأَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوْ كُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوْ كُمْ فِيْهِ فَإِنْ قَاتَلُوْ كُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ"[14] اس آیتِ کریمہ میں تین افعال: "تُقْتِلُوْهُمْ، يُقْتِلُوْكُمْ، قْتَلُوْكُمْ" میں دُو متواترہ قراء ات ہیں۔قرائے عشرہ میں سے امام کسائی الکوفی، امام حمزہ کوفی اور امام خلف الکوفی نے 'الف' کو حذف کر کے انہیں فعل ثلاثی مجرد سے پڑھا ہے جبکہ باقی قراءِ کرام نے 'الف' کے اثبات کے ساتھ یعنی ابوابِ ثلاثی مزید فیہ میں سے بابِ مفاعلہ سے پڑھا ہے۔فقہائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسجد الحرام میں قتال سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور کسی مسلمان کے لیے کافر یا مشرک سے قتال کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ کوئی کافر، مسلمان سے قتال کی ابتداء نہیں کرتا کیونکہ ایسی حالت میں مسلمان صرف دفاعی پوزیشن میں ہوگا۔ واضح رہے کہ اِثباتِ الف والی قراء ت اس مسئلہ میں بہت واضح ہے، البتہ فقہاء کا اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ مسجد الحرامیں حدود اور قصاص کے طور پر مشرک یا کافر کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

ا۔۳۔ قراءات کا فقہی احکام پر اثرات

اختلافِ قراءات کے معانی کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل کی توضیح وتشریح کے لیے علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (المتوفی: ۱۲۲۵ء) کے اقوال کو بقدرِ ضرورت قلم بند کر رہا ہوں۔امید کی جاتی ہے کہ یہ توضیحات: معانی قراءات اور فقہی مسائل سمجھنے میں مفید ثابت ہوں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تاویلات اور توضیحات ملاحظہ ہو: صیغہ واحد: (تَقْتُلُوْ) والی قراء ت کے بارے میں مرحوم لکھتے ہیں: اس تقدیر پر یہ الفاظ قتل سے ہوں گے ،مُقاتلہ سے نہ ہوں گے اور معنی و مفہوم یہ ہوں گے کہ بعض اہلِ کفر کو قتل مت کرو جب تک وہ تم سے کسی کو قتل نہ کریں۔ باقی قراءِ کرام نے اوّلُ کے تین مقامات میں الف سے پڑھا ہے اور آخر میں الف کے بغیر پڑھا ہے۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا کہ بلدِ حرام میں قتال کی ابتداء کرنا حلال نہ تھی پھر اس آیتِ مبارکہ سے یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے: "وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ"۔[15] لڑوان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد" موصوف آگے تحریر کرتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک حق اور صواب بات یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے۔ قتال کی ابتداء کرنا حرم میں اب بھی ویسے ہی حرام ہے۔[16] مندرجہ بالا اقوال کی وضاحت اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

---

[14] البقرہ ۲: ۱۹۱۔

[15] البقرہ ۲: ۱۹۳۔

[16] قاضی ثناء اللہ الپانی پتی، **التفسیر المظہری** (کوئٹہ: مکتبۃ الرشیدیہ، ۱۴۱۲ھ)، ۱: ۳۶۴۔

۲۔۳۔امام البخاری فرماتے ہیں

رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی فتح کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کی پیدائش کے دن باحرمت بنایا ہے۔اس لیے اللہ سبحانہ وتعالی کا حرام کردہ قیامت تک حرام ہی رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی کو اس میں قتل و قتال کی اجازت نہیں ہوئی تھی، اور میرے لیے بھی دن کی ایک ساعت کے صرف حلال ہوا ہے۔اس کے بعد بدستور قیامت تک حرام ہے یہاں تک کہ یہاں کی گھاس، کانٹا وغیرہ نہ کاٹا جائے۔نہ یہاں کا شکار بھگا یا جائے۔[17]

۳۔۳۔قراءات کے تفسیر پر اثرات

قراءاتِ متواترہ کے تفسیر پر اثرات کو مدِ نظر رکھتے علامہ القرطبیؒ رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہور تفسیر: "الجامع لاحکام القرآن" میں بڑی باریک بینی اور محققانہ انداز میں مذکورہ آیت مبارکہ کے اختلافِ قراءات کے بارے میں بحث کی جو درج ذیل ہیں: **"فَاِنْ قُرِئَ ولاتَقْتُلُوْھُمْ فَالْمسئلۃُ نصٌ،وِانْ قُرِئَ ولاتُقَاتِلُوْھُمْ فھو تنبیۃٌ لانہ اذا نُھِیَ عَنِ الْقِتَالِ الذیْ ھُوَ سَبَبُ الْقَتْلِ کان دلیلاً بَیِّنًا ظاھرًا علیٰ النھی عَنِ الْقَتْلِ"**۔[18] یعنی اگر اس صیغے کو مجرد سے پڑھا جائے تو پھر معنی بالکل واضح ہے۔ یہ معنی مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ کے بالکل موافق: **"وَمَنْ دَخَلَہ کَانَ اٰمِنًا"**۔[19] ہے، اور اگر اس صیغے کو مفاعلہ سے پڑھا جائے تو پھر بقولِ امام قرطبیؒ یہ آیت اس بات کے اوپر تنبیہ ہے کہ مسجد الحرام میں قتال ممنوع ہے جو کہ قتل کا سبب بنتا ہے تو قتل بطریقِ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ چنانچہ اس بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسجد الحرام میں قتال ممنوع ہے لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ مسجد الحرام میں حدود و قصاص کی بنا پر قتل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد الحرام میں قصاص لینا جائز ہے اور حد کے طور پر قتل کرنا بھی جائز ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد الحرم میں حدود نافذ کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کا یہ مذہب مذکورہ آیت میں مجرد والی قراءت کے بالکل موافق ہے۔[20] یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کو مذکورہ آیت کی دُوسری قراءت سے تقویت ملتی ہے: **"وَلَا تَقْتُلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"**۔[21]

۴۔۳۔فقہائے امت کا اختلاف

فقہاء کے اس اختلاف کا سبب دراصل آیتِ کریمہ میں قراءتِ متواترہ کا تنوع ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ نے دُوسری قراءت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اس کافر مشرک کو حدودِ حرم میں بھی قتل کیا جاسکتا ہے جو موجبِ قتل کام کر کے مسجد الحرام میں پناہ گزیں ہو جائے جبکہ باقی فقہاء نے پہلی قراءت کو بنیاد بنا کر اس سے منع کر دیا ہے۔ دُونوں قراءتوں کے معانی میں ظاہری تعارض کو بعض علماء نے اس طرح رفع کیا ہے کہ حرمِ شریف میں عام حالات میں تو کسی کافر کا خون بہانا یا اس پر حد لگانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر کوئی کافر مسلمانوں کو مجبور کر

---

[17] البخاری، **الجامع الصحیح**، ۱: ۲۶۷۔

[18] محمد بن احمد القرطبیؒ، **الجامع لاحکام القرآن** (قاہرہ: دار الکتب المصریہ، ۱۳۸۴ھ)، ۲: ۳۵۲۔

[19] اٰلِ عمران ۳: ۹۷۔

[20] محمد بن علی الشوکانی، **تفسیر فتح القدیر** (بیروت: دار ابن کثیر، ۱۴۱۴ھ)، ۱: ۱۹۱۔

[21] البقرہ ۲: ۱۹۱۔

دے کہ ان کی کوشش کے باوجود مسجد الحرام سے باہر نہ نکل رہا ہو بلکہ فتنہ وفساد اور مسلمانوں سے قتال اور ان کا قتل شروع کر دے تو مسلمانوں کے لیے بھی اس سے قتال اور قتل کرنا جائز ہوگا جیسا کہ امام المفسرین علامہ الشوکانیؒ اور علامہ الصنعانیؒ نے واضح الفاظ میں تصریح فرمائی۔[۲۲]

یادرہے کہ اس آیت مبارکہ میں دُو متواتراہ قراءتوں کی بنیاد پر حکم شرعی میں مزید وسعت پیدا ہوتی ہے اور خاص کر امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کے مسالک کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان دُونوں ائمہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے جو رائے اختیار کی ہے اس میں اختلافِ قراءت کا کماحقہ لحاظ رکھا گیا۔ اور جا بجا اشارۃً اور کنایۃً اس پر فقہاءِ کرام کی لا تعداد فقہی کتابوں میں بحث ملتی ہے، لہٰذا اس تفصیلی بحث سے یہ پتہ چلا کہ اختلافِ قراءات کی وجہ سے مفسرین نے جس طرح سے اپنی تفاسیر کو زینت بخشی ہیں، اسی طرح فقہائے امت نے بھی ہر زمانہ میں قراءاتِ متواترہ اور غیر متواترہ سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے آئے ہیں، اور اپنی طاقتِ علمی کی بنیاد پر فقہی مسائل کے استنباط کرنے میں مختلف فیہ قراءات کو بروئے کار لاتے ہوئے امتِ مرحومہ کے بے شمار مسائل کو حل کرتے رہے ہیں۔

۴۔ اِنقطاعِ حیض پر بیوی سے اِستمتاع کا حکم

فقہائے امت کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہے کہ ایامِ حیض کے دوران بیوی سے ہم بستری کرنا بالکل حرام ہے، البتہ اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے: کیا حیض کا خون منقطع ہونے کے بعد اور غسل سے پہلے عورت سے صحبت کی جاسکتی ہے؟ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ جمہور فقہاء نے اس سے منع کیا ہے۔ فقہاء کے مابین اِختلاف کا سبب، قراءت متواترہ کا باہمی اختلاف ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۲۲ میں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔[۲۳] اس آیتِ کریمہ میں دُو مشہور قراءتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک قراءت "**يَطْهُرْنَ**" میں طاء کی تخفیف کے ساتھ ہے یہ جمہور قراء کی قراءت ہے جبکہ دُوسری قراءت امام حمزہ کوفی، امام کسائی کوفی اور امام خلف کوفی علیہم الرحمہ کی ہے۔ جس میں "**يَطَّهَّرْنَ**" کو طاء اور ھا کی تشدید اور فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یادرہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جمہور کی قراءت سے استدلال کر کے طہارت سے مراد انقطاعِ دم لیا ہے اور بعد والے لفظ "**فإذا تطهرن**" کا معنی بھی انقطاعِ دم کر دیا ہے جبکہ جمہور فقہاء نے امام کسائی رحمہ اللہ وغیرہ کی قراءت کی بنیاد پر غسلِ حیض تک جماع کی اِجازت نہیں دی اگرچہ خون آنا بند ہوچکا ہو۔ اور انہوں نے تخفیف والی قراءت کو شد والی قراءت کے معنی میں کر کے دُونوں قراءات کا معنی ایک کر دیا ہے اور ان کے نزدیک دُونوں قراءتوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ بھی ممکن ہے کہ تشدید والی قراءت کا معنی انقطاعِ دم ہی کر لیا جائے لیکن شوہر کے لیے غسل سے قبل بیوی سے صحبت جائز نہیں ہوگی کیونکہ بعد میں "**فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ**" کی شرط اس پر دلالت کرتی ہے، اور علمائے احناف نے دُونوں قراءتوں کے ظاہری تعارض کو دُور کرنے کے لیے تخفیف والی قراءت کو دس دِنوں کے بعد انقطاعِ دم پر محمول کیا ہے اور تشدید والی قراءت کو دس دِنوں سے کم مدت میں انقطاعِ خون پر محمول کیا ہے۔

---

[۲۲] محمد بن علی الشوکانی، **نیل الاوطار** (مصر: دارالحدیث، ۱۴۱۳ھ)، ۴: ۷۱؛ محمد بن اسماعیل الصنعانی، **سبل السلام** (مصر: دارالحدیث، س ن)، ۴: ۷۲۔

[۲۳] البقرہ ۲: ۲۲۲۔

۱۔۴۔قراءات کے معانی و مفاہیم

☆۔"یَطْھُرْنَ" تخفیفًا اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ تم ان بیویوں سے جماع نہ کرو یہاں تک کہ ان سے حیض کا خون یقینی طور پر رک جائے۔

☆۔تشدید والی قراءت "یَطَّھَّرْنَ"اس کا معنی و مفہوم یہ ہو گا کہ تم اپنی بیویوں سے مجامعت کرنے سے بچو یہاں تک کہ حیض کا خون رُک جائے اور وہ پانی کے ساتھ غسل کرلیں۔انہی مذکورہ قراءات کی وجہ سے فقہاءِ کرام کے مابین شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ دُو مختلف گروہ میں تقسیم ہوتے ہیں۔ہر ایک گروہ کی الگ الگ توجیہات،تاویلات اور تفسیری اثرات ہیں۔

۲۔۴۔فقہی احکام پر مفسرین کے اقوال

اختلافِ قراءات کی بنیاد پر فقہاءِ کرام کی توضیحات کو بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت لانے کی کوشش کی گئی،سب سے پہلے علمائے احناف کے مایہ ناز محقق اور فقیہ امام ابو بکر احمد بن علی الجصاص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توضیحات ملاحظہ ہوں:

"فَنَقُوْلُ اِن قولهُ:"يَطْهُرْنَ"اِذَا قُرِئَ بالتخفيفِ فهو مُسْتَعْمَلٌ عَلىٰ حقيقتهِ فيمَنْ كانتْ ايامها عَشرًا۔ فيجوزُ للزوجِ استباحة وطئها بمضىٰ الْعشرِ۔وقوله:"يَطَّهَّرْنَ"بالتشديدِ وقوله:"فَاِذَا تَطَهَّرْنَ"مستعملانِ فِيْ الْغَسْلِ اِذَا كانتْ ايامها دُوْنَ الْعشرِ"۔[۲۴] پس ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول "یَطْھُرْنَ" کو جب مخفف پڑھا جائے تو وہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے۔اس عورت کے حق میں جس کا خون دس دن پر بند ہوا ہو،اس کے شوہر کے لیے دس دِن گزرنے پر اس کے قریب جانا جائز ہے۔یعنی عورت کے لیے جماع سے پہلے غسل ضروری نہ ہو گا۔اللہ تعالیٰ کا قول "یَطَّھَّرْنَ" تشدید کیساتھ اور اسی طرح (فَاِذَا تَطَھَّرْنَ) غسل کے معنی میں استعمال ہوں گے جب اس عورت کا خون دس دنوں سے کم پر بند ہوا ہو۔

۳۔۴۔اس مسئلہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں

پہلی صورت میں وہ عورت حیض سے پاک ہو گئی ہے اور اس کا حکم اب حالتِ جنابت والا ہے۔یعنی وہ نماز کے لیے تو غسل کرے گی لیکن صُحبتُ کے لیے غسل ضروری نہیں لیکن اگر دس دِنوں سے کم پر خون بند ہوا ہو تو اس عورت کو صحبت سے پہلے غسل کرنا ضروری ہو گا۔اس میں دراصل امام ابو بکر الجصاص الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ دُونوں قراءتوں کو اپنے معنی حقیقی پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا معنی حقیقی ہی مراد لیا جائے گا۔یاد رہے کہ معنی حقیقی غسل ہی کو کہا جاتا ہے فقط۔اور اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے محققِ وقت مولانا ظفر احمد عثمانی نے بہت ہی خوب لکھا ہے:

> "جَمَعَ الْحَنَفِيَةُ بَيْنَ الْقِراءتينِ،وجعلهُمَا كالآيتين،ولما راى سادتنا الحنفية ان هاهنا قراءتين واحتاجوا للجمع بجعل كل واحد منهما آيةً مستقلةً،فحملوْا الاولىٰ عَلىٰ الانقطاعِ باكثرالمدةِ،والثانية لِتَمَامِ العادة التى ليست اكثر مدة الْحَيْضِ"۔[۲۵]

[۲۴] الجصاص، **احکام القرآن**،۱: ۳۵۰۔

[۲۵] ایضاً، ۴۱۴۔

علمائے احناف کے نزدیک دُو قراءتوں کو جمع کیا ہے اور ان کو دُو آیتوں کی طرح شمار کیا ہے۔جب ہمارے حنفی ائمہ کرام نے دیکھا کہ اس مقام پر دُو قراءات ہیں۔ وہ اُس بات کی طرف محتاج ہوئے کہ دُونوں قراءتوں کو مستقل آیت بنا کر جمع کیا جائے تو اس صورت میں انہوں نے پہلی قراءت کو اس عادت کے انقطاع پر محمول کیا جو اکثر مدت سے کم ہو۔

لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک دُونوں صورتوں میں عورت کا جماع سے پہلے غسل کرنا ضروری قرار دیا، چنانچہ انہوں نے اپنی مشہورِ زمانہ فقہ کی کتاب "كِتَابُ الْأُمْ" میں خوب صورت انداز میں تحریر کرتے ہیں جو کہ ضرورت کے مطابق درج ذیل ہیں:"وَاَبَانَ عز وجل انها حائض وَاَمَرَ ان لاتقرب حَائِضٌ حَتّىٰ تَطَهَّرَ وَلَا اِذَا طَهُرَتْ حَتّىٰ تَتَطَهَّرَ بِالمَاء"۔[26]اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ وہ عورت حائضہ ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ حائضہ سے جماع نہ کیا جائے یہاں تک کہ وہ بالکل پاک نہ ہو جائے، نہ کہ اُس وقت کہ جب اس کا صرف خون بند ہو جائے یہاں تک کہ وہ غسل نہ کرلے۔اختلافِ قراءات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس مقام پر دُو قراءتوں کی بنا پر فقہی احکام میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ علمائے احناف نے ان کو دُو مختلف صورتوں پر محمول کیا ہے جبکہ امام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دُونوں قراءتوں کو ایک ہی معنی پر محمول کیا ہے۔

۵۔مَسِ اِمرءۃ سے اِعادہ وضو کا حکم

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فقہاءِ کرام میں یہ اختلاف ضرور پایا جاتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ؟ علمائے احناف کا ظنِ غالب یہ ہے کہ محض عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ علمائے شافعیہ کا خیال ہے کہ مطلقاً عورت کو مس کرنے سے وضو ٹوٹ جائے گا، علمائے مالکیہ کے نزدیک اگر لذت کی غرض سے ہاتھ لگاتا ہے تو وضو ٹوٹے گا جبکہ حنابلہ کے اکابرین کہتے ہیں کہ شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔دراصل فقہائے امت کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں دُو مشہور مختلف قراءات پائی جاتی ہیں۔اس پر قرآن مجید میں یوں ارشاد باری ہے:وَإِنْ كُنتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ-[27] اس آیتِ کریمہ میں دُو متواترہ قراءتیں ہیں۔ امام حمزہ کوفی،امام کسائی کوفی اور امام خلف کوفی نے لفظِ"لَمَسْتُمْ" کو الف کے بغیر"لَمَسْتُمْ"پڑھا ہے جبکہ جمہور قرائے کرام نے اس کو الف کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے۔ فقہائے حنفیّہ نے جمہور کی قراءت کی بنا پر اس کی تفسیر صرف جماع کے ساتھ کی ہے۔علمائے شافعیہ نے امام حمزہ وغیرہ کی قراءت کی رُو سے ہر قسم کے لمس کو ناقضِ وضو قرار دیا ہے جبکہ فقہائے مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس سے ہر قسم کا لمس مراد نہیں ہے بلکہ وہ لمس مراد ہے جو وضو کے لئے ناقض ہو یعنی جس میں لذت یا شہوت پائی جاتی ہو۔ بہر صورت اِس مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد دراصل قراءتِ متواترہ کے اختلاف پر ہی ہے۔اسی آیتِ مبارکہ کے اختلافِ قراءات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی (المتوفی:۳۲۱ھ) نے اپنی مشہورِ زمانہ تفسیر:"احکام القرآن الکریم" میں مدلل طور پر احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ:"أَوْ لامَسْتُمُ النِّسَاءَ"،فَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا عَزَّوَجَلَّ فِيْ كِتَابِهِ هَذَا اللَّمْسَ،مَاهُوَ؟ فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْهِ، فَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ:هُوَ مَادُوْنَ الْجِمَاعِ مِنَ الْقُبْلَةِ وَاللَّمْسِ بِالْيَدِ وَمَا أَشْبَهَهُمَا،وَ رَوَوْا ذَلِكَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ،وَابْنِ عُمَرَ:فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ:"أَوْ لامَسْتُمُ النِّسَاءَ"قَالَ قَوْلًا مَعْنَاهُ:مَادُوْنَ الْجِمَاعِ"وحَدَّثَنَا يُوْنُسُ،قَالَ:أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ،أَنَّ مَالِكًا حَدَّثَهُ،عَنِ ابْنِ شِهَابٍ،

[26] محمد بن ادریس الشافعی، **کتاب الام** (بیروت: دارالمعرفۃ، ۱۴۱۰ھ)،۱: ۵۹۔

[27] المائدہ ۵: ۶۔

عَنْ سَالِمٍ،عَنْ أَبِيهِ،أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ:"قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ وَجَسُّهَا بِيَدِهِ مِنَ الْمُلَامَسَةِ،فَمَنْ قَبَّلَ امْرَأَتَهُ أَوْ جَسَّهَا بِيَدِهِ فَعَلَيْهِ الْوُضُوءُ".[۲۸] امام ابو جعفر الطحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مذکورہ آیتِ مبارکہ میں اختصار کے ساتھ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ کریم کے فرمان: "أَوْلَامَسْتُمُ النِّسَاءَ" میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے یہ واضح بیان نہیں ملا کہ اس "اللَّمْسَ" سے کیا مراد ہے؟۔ علمائے کرام کا اس میں سخت اختلاف رہا ہے، بعض کے نزدیک جماع کے علاوہ لمس بالید وغیرہ مراد ہے۔ اور اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی حدیث کو پیش کرتے ہیں: مذکورہ آیت سے مراد: "مادون الجماع" ہی ہے۔ اور دُوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس سے: "قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ وَجَسُّهَا بِيَدِهِ مِنَ الْمُلَامَسَةِ" مراد ہے، پس اپنی منکوحہ سے بوسا لیا یا اپنے ہاتھ سے مس کیا تو اس کے لیے وضو لازم ہے۔ موصوف علیہ رحمہ مزید لکھتے ہیں:

قَالُوْا:فَدَلَّ عَلىٰ ذٰلِكَ كِتَابُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ،قَالَ اللهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ:"فَلَمَسُوْهُ بِأَيْدِيهِمْ"وَدَلَّتْ عَلَيْهِ سُنَّةُ رَسُولِ اللهِ صَلّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَهْيِهِ عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَهِيَ الْمَسُّ بِالْيَدِ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ:هُوَالْجِمَاعُ،وَلِأَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ كَنى عَنْهُ وَرَوَوْا ذٰلِكَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.وحَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ،قَالَ:تَذَاكَرْنَا اللَّمْسَ،فَقَالَ نَاسٌ مِنَ الْمَوَالِي: لَيْسَ مِنَ الْجِمَاعِ،وَقَالَ نَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ:هُوَالْجِمَاعُ،فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِابْنِ عَبَّاسٍ،فَقَالَ:"مَعَ أَيِّهِمْ كُنْتَ؟"قُلْتُ:مَعَ الْمَوَلِي،قَالَ:"غَلَبَتِ الْمَوَالِي،إِنَّ اللَّمْسَ وَالْمُبَاشَرَةَ مِنَ الْجِمَاعِ،وَلٰكِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُكَنِّي".[۲۹] امام الطحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علماء کرام نے اللہ رحمان کے فرمان: "فَلَمَسُوْهُ بِأَيْدِيهِمْ" کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ مس بالید کو بہتر یہ ہے کہ رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہی سمجھا جائے۔ اور ایک جماعت نے اس سے جماع مراد لیا ہے، اس لیے کہ اللہ عزوجل نے اس سے منع فرمایا ہے اور یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے۔ بہر حال بعض علماء نے اس سے جماع مراد لیتے ہیں جبکہ زیادہ تر اہلِ علم اس سے صرف مس مراد لی ہے۔ اور یہ ایک اصولی بات ہے کہ اس سے اگر جماع مراد لیں گے تو براہِ راست غسل ہوگا، اور اگر مس بالید مراد لیتے ہیں تو اس صورت میں صرف وضو ہوگا، جیسا کہ امام ابو جعفر الطحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قیمتی عبارت سے بآسانی معلوم ہیں۔

۶۔ کاتب وگواہ کیلئے ایذارسانی کی ممانعت

یاد رہے کہ دینِ اسلام نے جہاں مالی معاہدات کو لکھنے کا حکم صادر کیا ہے اور ساتھ ہی ایک دُوسرے کو تکلیف دینے سے بھی منع کردیا ہے۔ درحقیقت اگر دنیائے عالم کے دیگر مذاہب کی طرف بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو ہمیں دینِ اسلام جیسا خیر خواہ اور معتدل کوئی دوسرا مذہب ہی نہیں ہے، اس بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ملاحظہ ہوں:

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَأَشْهِدُوْا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيْدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوْا فَإِنَّهُ فُسُوْقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ.[۳۰]

یاد رہے کہ لفظ 'یُضار' کو امام عبداللہ بن کثیر المکی اور امام ابو عمرو بن العلاء البصری نے راء کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ گویا کہ اس میں لائے نافیہ ہے اور فعلِ مضارع مرفوع ہے۔ باقی قراء حضرات نے اِس کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک یہ لائے ناہیہ ہے اور

---

[۲۸] الطحاوی، احکام القرآن الکریم، ۱: ۹۶۔

[۲۹] ایضا، ۹۷۔

[۳۰] البقرہ ۲: ۲۸۲۔

فعلِ مضارع مجزوم ہے۔ رفع والی قراء ت میں حکم کا تعلق صاحبِ حق سے ہوگا کہ وہ کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچائے یعنی انہیں کتابت اور گواہی میں مصروف رکھ کر ان کے ضروری کام متاثر نہ کردے جبکہ منصوب والی قراء ت میں حکم کا تعلق کاتب اور شہید سے ہوگا۔ یعنی گواہ گواہی چھپا کر یا جھوٹی گواہی دے کر صاحبِ حق کو نقصان نہ پہنچائے اور کاتب ضرورت کے وقت لکھنے سے انکار کرکے یا لکھوائی جانے والی بات میں تبدیلی کرکے صاحبِ حق پر ظلم نہ کرے۔

لیکن دُونوں قراءتوں کے معانی مختلف ہونے کے باوجود ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ دُونوں قراء تیں دُوسرے شخص کی ضرر رسانی کی حرمت پر متفق ہیں، اور اسلام میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ وہ ضرر اور نقصان کی کسی صورت کی اِجازت نہیں دیتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمانِ عالی ہے: لَاضَرَرَ ولَاضِرَارَ۔[31] یاد رہے کہ اس حدیثِ شریف کے بارے میں علامہ ناصر الدین الالبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یہ صحیح اور قابلِ اعتماد حدیث ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر تمام فقہائے امت اور علمائے کرام بھی متفق ہیں کہ یہ معمول بہا حدیث ہے۔ قراءات قرآنیہ کے معانی اور مفاہیم کو مختصر لیکن جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے علامہ ابن خالویہؒ اس انداز میں لکھتے ہیں:

> "قولُهُ تَعالیٰ: لا تُضَارَّ يُقرأ بالرفعِ والنصبِ. فالحجةُ لمنْ جعله مَرْفُوْعًا: أنه أخبر ب"لا" فردّه علیٰ قوله: لا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَها لاتُضَارَّ. والحجّةُ لمنْ نصب: أنه عنده مجزوم بحرف النهيِ. والأصل فيه: لاتضارر، فأدغم الراء، فِيْ الراء وفتح لالتقاء الساكنين. ومثله: ولايُضار كاتب ولاشهيد".[32]

> امام ابنِ خالویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ کریم کے فرمان: "لا تُضَارَّ" والے فعل میں اختلافِ قراءات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس کو رفع اور نصب دُونوں اعتبار سے پڑھا گیا ہے۔ رفع کے ساتھ پڑھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ "لا" کی خبر ہے، اور اصل عبارت: "لا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَها لا تُضَارَّ" ہے۔ اور نصب کے ساتھ پڑھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حقیقت میں یہ حرفِ نہی کی وجہ سے مجزوم ہے۔ اور اصل میں "لاتضارر" ہے، ایک را کو دُوسری را میں ادغام کرکے التقائے ساکنین کی وجہ سے فتح دیا گیا۔ اور اس کی مثال: "وَلايُضارَ كَاتِبٌ وَلاشَهِيْدٌ" ہے۔

امام ابو بکر الجصاص الحنفی نے مذکورہ آیت میں اختلافِ قراءات کی وجہ سے کاتب اور گواہ کے بارے میں رُونما ہونے والے فقہی مسائل پر بحث کرتے ہوئے مدلل طریقے سے بیان کرنے کی کوسعی کی ہے جو بقدرِ ضرورت مندرجہ ذیل ہیں:

وَقَدْ اخْتَلَفَ الْسَّلَفُ فِيْ لُزُوْمِ الْكَاتِبِ الْكِتَابَةَ فَرُوِيَ عَنْ الشَّعْبِيِّ أَنَّهُ قَالَ هُوَ وَاجِبٌ عَلیٰ الْكِفَايَةِ كَالْجِهَادِ وَنَحْوِهِ وَقَالَ الْسُّدِّيُّ وَاجِبٌ عَلیٰ الْكَاتِبِ فِيْ حَالِ فَرَاغِهِ وَقَالَ عَطَاءٌ وَمُجَاهِدٌ هُوَ وَاجِبٌ وَقَالَ الْضَّحَّاكُ نَسَخَتْهَا وَلايُضَارَّ كَاتِبٌ وَلاشَهِيْدٌ قَالَ أَبُوبَكْرٍ قَدْ بَيَّنَّا أَنَّ الْكِتَابَ غَيْرُ وَاجِبٍ فِيْ الْأَصْلِ عَلیٰ الْمُتَدَايِنَيْنِ فَكَيْفَ يَكُوْنُ وَاجِبًا عَلیٰ الْأَجْنَبِيِّ الَّذِي لَاحُكْمَ لَهُ فِيْ هَذَا الْعَقْدِ وَلَاسَبَبَ لَهُ فِيْهِ وَعَسیٰ أَنْ يَكُوْنَ مَنْ رَآهُ وَاجِبًا إِلیٰ أَنَّ الْأَصْلَ وَاجِبٌ فَكَذَلِكَ عَلیٰ مَنْ يُحْسِنُ الْكِتَابَةَ أَنْ يَقُوْمَ بِهَا لِمَنْ يَجِبُ ذَلِكَ عَلَيْهِ وَالْأَصْلُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ وَاجِبًا عِنْدَنَا فَإِنَّ الْمُتَدَايِنَيْنِ مَتیٰ قَصَدَا إِلیٰ مَا نَدَبَهُمَا إِلَيْهِ مِنَ الاِسْتِيثَاقِ بِالْكِتَابِ وَلَم يَكوْنَا عَالمين بِذالكَ"۔[33] یاد رہے کہ امام الجصاص الحنفیؒ لکھتے ہیں: کاتب اور گواہ کے بارے میں علمائے سلف نے اختلاف کیا ہے، اور امام الشعبیؒ

---

[31] محمد بن یزید ابن ماجہ، **سنن ابن ماجہ** (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیہ، س ن)، رقم الحدیث: ۲۳۴۱۔

[32] ابن خالویہ، **الحجۃ فی القراءات السبع**، ۹۷۔

[33] الجصاص، **احکام القرآن الکریم**، ۲: ۲۰۹۔

کے قول کے مطابق یہ جہاد کی طرح واجب علی الکفایہ ہے، اور علامہ السدیؒ نے کہا ہے کہ فراغت کے وقت کاتب پر واجب ہے کہ وہ کتابت کرے، اور سیدنا عطاءؒ اور سیدنا مجاہدؒ کے نزدیک مطلق واجب ہے، اور حضرت ضحاکؒ نے کہا ہے: "وَلا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلا شَهِيدٌ" منسوخ ہو چکا ہے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یہ بات ہم پر واضح ہو چکی ہے کہ بیشک کتاب اصل کے اعتبار سے دُو متدائن پر غیر واجب ہے۔ پس اجنبی پر واجب ہے۔ اوپر والی بحث سے یہ پتہ چلا کہ کسی بھی کاتب کو کتابت پر اور گواہ کو گواہی پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اگر وہ اپنی مرضی سے کتابت پر راضی ہو جائے یا گواہی دینے پر خوشی کا اظہار کرے تب اسلام اجازت دے گا ورنہ نہیں کیوں کہ شریعتِ مطہرہ ہر لحاظ سے مثبت انسانی رائے کا خیال رکھتی ہے۔

۷۔ لفظِ 'السلم' میں کماحقہ داخل ہونا

اس بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کلامِ حمید کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۰۸ میں اس انداز سے بیان فرمایا ملاحظہ ہوں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ۔[۳۴] اس آیت کے کلمہ "السِّلم" میں دُو مشہور اور متواترہ قراءتوں کا تذکرہ ملتا ہے: امام عبداللہ بن کثیر مکی اور امام کسائی الکوفی رحمہما اللہ نے اسے سین کے فتحہ اور لام کے سکون کے ساتھ لفظ(اَلسَّلْم) سے پڑھا ہے اور باقی قراء حضرات اسے سین کے کسرہ اور لام کے سکون سے لفظ (اَلسِّلْم) کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ دُونوں قراءتیں دُو لغتیں ہیں جن کا معنی ایک ہی ہے جبکہ دیگر بعض علماء کے ہاں ہر قراءت کا معنی دُوسری قراءت سے مختلف ہے۔ سین کے کسرہ والی قراءت "اَلسِّلمَ" سے مراد اسلام ہے یعنی اس کا معنی یہ ہوگا کہ اے ایمان والو! اسلام میں اس طرح داخل ہو جاؤ کہ اس کی تمام تعلیمات، احکام و آداب اور اوامر ونواہی کے ذمہ دار اور پابندی کرنے والے بن جاؤ۔ اور سین کے فتحہ والی قراءت "اَلسَّلمَ" سے مراد صلح اور امن ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مؤمنو! تمہارے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ تم دین کی مدد کیلیے آپس میں اتحاد واتفاق سے رہو اور ایک دُوسرے سے دشمنی اور علیحدگی اختیار کرنے کی بجائے صلح کرنے والے اور امن پسند بن کر زندگی بسر کرو تو یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہوگا۔

واضح رہے کہ دُونوں قراءتوں کے درمیان یہ ظاہری تعارض تناقض نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان تطبیق ممکن ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ فتحہ والی قراءت سے ثابت ہو رہا ہے کہ بعض دفعہ دشمن سے صلح کرنے میں اسلام کا بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے اور اس سے یہ مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ مسلمان قتل وغارت سے اور ان کا مال اور وطن ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ اور سین کے کسرہ والی قراءت کے مطابق اسلام میں مکمل طریقہ سے داخل ہونا بھی بہت بڑی مصلحت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا کے مطابق عمل کرنا ہم سب پر واجب اور ضروری ہے۔ اس آیتِ مبارکہ کے معانی کو کماحقہ بیان کرنے کے لیے امام القراء والمحققین علامہ الحسین ابن خالویہؒ کے اقوال کو لانے کی کوشش کی گئی ہے:

"قَوْلُهُ تَعَالىٰ:ادْخُلُوا فِيْ السِّلْمِ كَافَّةً.يقرأ هاهنا،وَفِيْ الأنفال وَفِيْ سورةِ محمد صَلىٰ الله عليهِ وَسَلَم بفتحِ السِّيْنِ وكسرهَا. وَالحجّةُ لمنْ فتح:أنه أَرَادَ الصلح".[۳۵] یعنی امام ابنِ خالویہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ عالی: "ادْخُلُوا فِيْ السِّلْمِ كَافَّةً" یہاں، سورۃ الانفال اور سورۃ محمد میں سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا۔ اور فتحہ کے ساتھ پڑھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ اس سے صرف آپس میں صلح وصفائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اور کسرہ والی قراءت کی تشریح تمام تفاسیر میں مذکور ہے کہ تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اور ادھام رغا

---

[۳۴] البقرہ ۲: ۲۰۸۔

[۳۵] ابنِ خالویہ، **الحجۃ فی القراءات السبع**، ۹۵۔

اور ادھا بٹیر بن کر سامنے آنا دینِ اسلام میں ہرگز درست نہیں ہے۔اور دینِ اسلام باقی تمام ادیان پر اس طرح واضح ہے جس طرح سورج کی روشنی چاند پر عیاں ہے۔اور اختلافِ قراءات کے تفسیری اثرات کا مدِ نظر رکھتے ہوئے علامہ القرطبیؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

> لَمَّا بَيَّنَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ النَّاسَ إِلَىٰ مُؤْمِنٍ وَكَافِرٍ وَمُنَافِقٍ فَقَالَ: كُونُوْا عَلَىٰ مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ،وَاجْتَمِعُوْا عَلَىٰ الْإِسْلَامِ وَاثْبُتُوْا عَلَيْهِ. فَالسِّلمُ هُنَا بمعنىٰ الإسلام،قال مُجاهِدٌ،وَرَوَاهُ أَبُومَالِكٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.وَمِنْهُ قَوْلُ الشَّاعِرِ الْكِنْدِيِّ:دَعَوْتُ عَشِيرَتِي لِلسِّلْمِ لَمَّا رَأَيْتُهُمْ تَوَلَّوْا مُدْبِرِينَا أَيْ إِلىٰ الْإِسْلَامِ لَمَّا ارْتَدَّتْ كِنْدَةُ بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّىٰ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ الْكِنْدِيِّ،وَلِأَنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ لَمْ يُؤْمَرُوْا قَطُّ بِالدُّخُولِ فِيْ الْمُسَالَمَةِ الَّتِي هِيَ الصُّلْحُ،وَإِنَّمَا قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلّىٰ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَجْنَحَ لِلسِّلْمِ إِذَا جَنَحُوْا لَهُ،وَأَمَّا أَنْ يَبْتَدِئَ بِهَا فَلَا،قَالَهُ الطَّبَرِيُّ.وَقِيلَ:أَمَرَ مَنْ آمَنَ بِأَفْوَاهِهِمْ أَنْ يَدْخُلُوْا فِيْهِ بِقُلُوبِهِمْ.وقال طاوس ومجاهد:ادخلوْا فِيْ أمرالدين۔سفيان الثورى:فِيْ انواع البرِ كلها۔ وقرى"السلم"بكسرالسينِ"۔[36]

امام القرطبیؒ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مؤمن، کافر اور منافق کے لیے یہ واضح کر دیا ہے کہ تم سب ایک ملتِ واحدہ کی طرح ہو جاؤ،اور اسلام پر داخل ہو کر ثابت قدم رہاؤ۔پس لفظ: "السلم" سے یہاں اسلام مراد ہے،اور یہی امام مجاہد اور ابو مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا مشہور قول ہے۔اور بہر حال جب لفظِ: "السَلم" کو فتحِ سین کے ساتھ پڑھیں گے تو اس سے صلح مراد ہو گی کیوں کی نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ جب وہ لوگ صلح کا ارداہ کرے تو آپؐ بھی ارادہ فرمالیں ،اور اگر ابتداء آپؐ سے ہو تو درست نہیں ہے۔امام ابو جعفر الطبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جنھوں نے اپنے منہ ہوں سے اقرار کر لیا تو انہی کو حکم دیا کریں۔اور حضرت طاؤس اور مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں: اس سے دینِ اسلام کے معالے میں داخل ہونا مراد ہے۔امام سفیان الثوری رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ اس سے نیکی کرنے کی تمام اقسام مراد ہے۔

۸۔ محاصلِ کلام

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اس مختصر مقالہ "جدید فقہی مسائل میں قراءاتِ قرآنیہ سے استدلال کے منہج" میں چند ایسی آیاتِ مبارکہ کا انتخاب کیا گیا ہے جن کا تعلق قراءاتِ متواترہ سے ہونے کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل کے استنباط کرنے میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔اور زیادہ تر سورۃ البقرہ کی احکام والی آیات کی طرف توجہ مبذول رہی ہے۔اور ابتدائیہ میں سورۃ الفاتحہ کی آیت نمبر ۴: "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کو بطورِ مثال پیش کر کے موضوعِ بحث بنایا گیا،اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۶: "وَأَرْجُلَكُمْ إِلَىٰ الْكَعْبَيْنِ" منتخب کر کے مقالے کا حصہ بنایا گیا ہے۔اس کے بعد بالترتیب قرآنِ مجید میں سے چھے مختلف ایسی مثالوں کو لانے کی کوشش کی گئی جن کا تعلق فقہی مسائل کے احکام سے ہے: سورۃ البقرہ کی آیات نمبر: ۱۲۵، ۱۹۱، ۲۰۸، ۲۲۲، ۲۸۲ ،اور سورۃ المائدہ میں سے آیت نمبر ۶ کو قراءِ کرام، مفسرین اور دورِ جدید کے محققین کے اقوال کی روشنی میں حل کیا گیا ہے ۔یاد رہے کہ فقہی احکام کے مسائل کے حل کرنے میں زیادہ تر اُن مشہور مفسرینِ کرام کی تفاسیر پر اکتفاء کیا گیا ہے جن کا تعلق اکثر و بیشتر احکام القرآن سے تھا۔

وَمَاتَوْفِيْقِیْ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِیِ الْعَظِيْم

---

[36] القرطبیؒ، **تفسیر القرطبی**، ۳: ۲۲۔

کتابیات

القرآن الکریم۔

الطحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد، **احکام القرآن الکریم** (استنبول: مرکز البحوث الاسلامیہ، ۱۴۱۸ھ)۔

الجصاص، احمد بن علی ابو بکر، **احکام القرآن للجصاص** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ)۔

الآلوسی، شہاب الدین، **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ)۔

القیسی، مکی بن ابی طالب، **الکشف عن وجوہ القراءات السبع** (بیروت: المؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۴ھ)۔

القنوجی، صدیق حسن خان، **نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۳ء)۔

الرازی، ابو عبداللہ فخر الدین، **مفاتیح الغیب** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ)۔

القرطبیؒ، محمد بن احمد، **الجامع لاحکام القرآن** (قاہرۃ: دار الکتب المصریہ، ۱۳۸۴ھ)۔

الزمخشری، ابوالقاسم محمود، **تفسیر الکشاف** (بیروت: دار الکتب العربی، ۱۴۰۷ھ)۔

العسقلانی، حافظ ابنِ حجر، **فتح الباری** (مدینہ منورہ: مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، ۱۴۱۷ھ)۔

البخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح** (بیروت: دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)۔

الشوکانی، محمد بن علی، **تفسیر فتح القدیر** (بیروت: دارِ ابن کثیر، ۱۴۱۴ھ)۔

الشوکانی، محمد بن علی، **نیل الاوطار** (مصر: دار الحدیث، ۱۴۱۳ھ)۔

الصنعانی، محمد بن اسماعیل، **سبل السلام** (مصر: دار الحدیث، س ن)۔

الشافعی، محمد بن ادریس، **کتاب الام** (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۴۱۰ھ)۔

النحاس، احمد ابو جعفر، **اعراب القرآن**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۱ھ)۔

ابنِ کثیر، اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۹ھ)۔

الزجاج، ابراہیم بن السری، **معانی القرآن واعرابہ** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۸ھ)۔

الاخفش، ابوالحسن المجاشعی، **معانی القرآن للاخفش** (قاہرۃ: مکتبۃ الخانجی، ۱۴۱۱ھ)۔

ابن الفارس، ابوالحسن احمد، **معجم مقاییس اللغۃ**، (بیروت: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ)۔

الزرکشی، بہادر محمد، **البرھان فی علوم القرآن** (قاہرۃ: دار احیاء الکتب العربیۃ، ۱۳۷۶ھ)۔

ابنُ الجوزی، جمال الدین، **زاد المسیر فی علم التفسیر** (بیروت: دار الکتب العربی، ۱۴۲۲ھ)۔

السیوطی، جلال الدین، **الاتقان فی علوم القرآن** (قاہرۃ: الھیئۃ المصریۃ للکتاب، ۱۳۹۴ھ)۔

الاصفہانی، ابوالقاسم الراغب، **المفردات فی غریب القرآن** (بیروت: دار القلم، ۱۴۱۲ھ)۔

الذہبی، شمس الدین، **معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار** (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۱۷ھ)۔

ابن الجزری، شمس الدین، **النشر فی القراءات العشر** (بیروت: المطبعۃ التجاریۃ الکبریٰ، س ن ندارد)۔

الدمیاطی، شہاب الدین، **اتحاف فضلاء البشر فی القراءات** (بیروت: مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، ۱۴۰۷ھ)۔

العسقلانی، شہاب الدین، **لطائف الاشارات لفنون القراءات** (ریاض، مجمع الملک فہد، ۱۴۳۴ھ)۔

السمین الحلبی، شہاب الدین، **الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون** (دمشق، دار القلم، سن ندارد)۔

الزرقانی، عبدالعظیم، **مناہل العرفان فی علوم القرآن** (قاہرۃ: مطبعۃ عیسیٰ الحلبی وشرکائہ، سن نا معلوم)۔

القاضی، عبدالفتاح، **البدور الزاہرۃ فی القراءات العشر المتواترۃ** (بیروت: دار الکتب العربیۃ، سن ندارد)۔

الفارسی، علی الحسن بن عبدالغفار، **الحجۃ فی علل القراءات السبع** (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۷۱ء)۔

الطبری، محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل آی القرآن** (قاہرۃ: مرکز البحوث الاسلامی، ۱۴۲۰ھ)۔

الاندلسی، محمد ابوحیان، **البحر المحیط فی التفسیر** (بیروت: دار الفکر، ۱۴۲۰ھ)۔

ابن عطیۃ، عبدالحق بن غالب، **المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز** (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۲۲ھ)۔

ابنِ زنجلۃ، عبدالرحمٰن بن محمد، **حجۃ القراءات العشر** (بیروت: دار الرسالۃ، سالِ اشاعت نا معلوم)۔

ابنِ ماجہ، محمد بن یزید، **سنن ابن ماجہ** (قاہرۃ: دار احیاء الکتب العربیہ، سن ندارد)۔

ابنِ خالویہ، حسین بن احمد، **الحجۃ فی القراءات السبع** (بیروت: دار الشروق، ۱۴۰۱ھ)۔

پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، **التفسیر المظہری** (کوئٹہ: مکتبۃ الرشیدیہ، ۱۴۱۲ھ)۔

شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہ، **مجموع الفتاویٰ** (مدینہ منورہ: الجامعۃ الاسلامیۃ، ۱۴۲۴ھ)۔

عطیۃ، محمد ہدیل، **اثر اختلاف الاعراب فی تفسیر القرآن** (غزۃ: الجامعۃ الاسلامیۃ، ۱۴۳۰ھ)۔

عکبری، عبداللہ، **املاء ما من بہ الرحمٰن من وجوہ الاعراب والقراءات** (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۳۹۹ھ)۔

مجاہد، احمد بن موسیٰ، **کتاب السبعۃ فی القراءات** (قاہرۃ: دار المعارف الاسلامیہ، ۱۴۰۰ھ)۔

محمد حبش، **القراءات المتواترۃ واثرھا فی الرسم القرآنی والاحکام الشریعۃ** (دمشق: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ)۔

محیسن، محمد سالم، **القراءات واثرھا فی علوم العربیۃ** (قاہرۃ: مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، ۱۴۰۴ھ)۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆